Negotiations 5:2 (Dec 2025) pp. 162-173 ISSN: 2789-293X

ایرک فرام کے نظریہ جارحیت کے تناظر میں ن م راشدؔ کی منتخب نظموں میں تصورِ عورت کا تجزیاتی مطالعہ

”میں اسے واقفِ الفت نہ کروں“، ”انتقام“، ”بیکراں رات کے سناٹے میں“

An Analytical Study of the Concept of Woman in the Selected Poems of Noon Meem Rashid in the Light of Erich Fromm’s Theory of Aggression”

(“Main Usay Waqif-e-Ulfat Na Karoon”,“Intiqam,” “Bekaran Raat Ke Sanatay Mein”)

Sumaira Anwar
PhD Scholar-Urdu, National University of Modern Languages, Islamabad)
sumairashahbaz1010@gmail.comil.com
Dr. Nazia Malik
Assistant Professor-Urdu, National University of Modern Languages, Islamabad
nmalik@numl.edu.pk

KEYWORDS

Erich Fromm
Aggression
Noon Meem Rashid
Modern Urdu Poetry
Objectification
Human Alienation
Psycological Connectedness

DATES

Received	**12-11-2025**
Accepted	**23-11-2025**
Published	**31-12-2025**

QR CODE

ABSTRACT

This article analyzes the poetry of Noon Meem Rashid through the theoretical framework of Erich Fromm’s concept of human aggression. Fromm rejects aggression as an innate instinct and interprets it as a product of social alienation, emotional deprivation, and the denial of freedom. His distinction between benign (defensive) and malignant (destructive) aggression provides a useful lens to examine Rashid’s modernist poetry. The study explores how Rashid’s poems, particularly “Main Ise Waqif-e-Ulfat Na Karoon,” “Intiqaam,” and “Bekaran Raat Ke Sannatay Mein,” reflect psychological conflict, suppressed desire, and power-driven relationships. Special attention is given to the representation of woman as a symbolic and often objectified figure, which aligns with Fromm’s notion of destructive aggression arising from the loss of love and human connectedness. The article argues that Rashid’s poetry transcends personal emotion and functions as a critique of modern society, exposing the psychological roots of violence, alienation, and existential anxiety.

https://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/article/view/177

ایرک فرام کے نظریہ جارحیت کے تناظر میں ن م راشد کی منتخب نظموں میں تصورِ عورت کا تجزیاتی مطالعہ

تلخیص:

یہ مقالہ ن۔م راشد کی شاعری کا تجزیہ ایرک فروم کے نظریۂ انسانی جارحیت کے تناظر میں کرتا ہے۔ فروم جارحیت کو پیدائشی جبلّت تسلیم نہیں کرتے بلکہ اسے سماجی بیگانگی، جذباتی محرومی اور آزادی سے محرومی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اُن کی جانب سے پیش کردہ خوش خیم (دفاعی) اور خبیث (تباہ کن) جارحیت کی تقسیم راشد کی جدیدیت پسند شاعری کو سمجھنے کے لیے ایک مؤثر نظریاتی زاویہ فراہم کرتی ہے۔اس مطالعے میں یہ دیکھا گیا ہے کہ راشد کی نظمیں خصوصاً "میں اسے واقفِ الفت نہ کروں"، "انتقام' اور 'بیکراں رات کے سنّاٹے میں" کس طرح نفسیاتی کشمکش، دبی ہوئی خواہشات اور طاقت پر مبنی تعلقات کی عکاسی کرتی ہیں۔ خاص طور پر عورت کی نمائندگی کو بطور ایک علامتی اور اکثر معروضی پیکر کے طور پر زیرِ بحث لایا گیا ہے جو فروم کے اس تصور سے ہم آہنگ ہے کہ تباہ کن جارحیت محبت اور انسانی ربط کے فقدان سے جنم لیتی ہے۔یہ مقالہ استدلال کرتا ہے کہ راشد کی شاعری محض ذاتی جذبات کے اظہار تک محدود نہیں بلکہ جدید معاشرے پر ایک تنقیدی نگاہ بھی ہے، جو تشدد، بیگانگی اور وجودی اضطراب کی نفسیاتی جڑوں کو بے نقاب کرتی ہے۔

ایرک فرام بیسویں صدی کے ان نابغۂ روزگار مفکرین میں شمار ہوتے ہیں، جنہوں نے فلسفہ، سماجیات اور نفسیات، تینوں میدانوں میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ وہ جرمنی میں پیدا ہوئے اور ایک ایسے فکری ماحول میں پرورش پائی جہاں فکر و نظر، سوال و جستجو اور تنقیدی شعور کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ ابتدائی تعلیم فرینکفرٹ میں حاصل کرنے کے بعد انہوں نے یونی ورسٹی آف ہیڈل برگ سے ۱۹۲۲ میں میں سماجیات (سوشیالوجی) میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ تاہم ان کی اصل دل چسپی انسانی ذہن، اس کے باطنی محرکات اور معاشرتی اثرات کے باہمی تعلق میں تھی، جس نے انہیں علمِ نفسیات کی طرف مائل کیا۔ انہوں نے نفسیات کو محض فرد کے باطنی مسائل تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے سماج، سیاست، معاشی نظام اور ثقافتی اقدار کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ فرائیڈ کے نظریات سے متاثر ضرور تھے، مگر انہوں نے ان پر تنقیدی نظر بھی ڈالی اور نفسیات میں ایک انسانی اور اخلاقی جہت کا اضافہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ انسان کی شخصیت صرف جبلّی خواہشات کا نتیجہ نہیں بلکہ سماجی حالات، معاشرتی دباؤ اور اقدار بھی اس کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

انسانی جارحیت کے بارے میں ایرک فرام کا نظریہ نہایت منفرد اور فکر انگیز ہے۔ وہ جارحیت کو انسان کی فطری اور ناگزیر جبلّت نہیں مانتے، بلکہ اسے غیر انسانی سماجی نظاموں، جبر، بیگانگی اور عدم محبت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جب انسان آزادی، تخلیق اور محبت سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کے اندر تباہ کن رجحانات جنم لیتے ہیں۔ یوں وہ انسان کو محض تشدد کرنے والی مخلوق نہیں بلکہ محبت کرنے اور تعمیر کرنے والی ہستی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کی تمام تصانیف انسانی فکر پر گہرے اثرات رکھتی ہیں۔ انہوں نے انسانی آزادی، ہمدردی، ذمہ داری اور محبت کو انسانی بقا اور ایک صحت مند معاشرے کے لیے ناگزیر عناصر قرار دیا۔

ان کے نزدیک محبت محض ایک جذبہ نہیں بلکہ ایک فن ہے، جس کے لیے شعور، نظم وضبط اور اخلاقی پختگی ضروری ہے۔ وہ ایک ایسے مفکر تھے جنھوں نے انسان کو اس کی مکمل انسانیت کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی۔

اس حوالے سے ان کی کتاب شہرہ آفاق کتاب "دی اناٹومی آف ہیومن ڈسٹرکٹونیس" انسانی نفسیات اور بالخصوص انسانی جارحیت کے مطالعے میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس تصنیف میں انہوں نے نہایت باریک بینی اور فکری گہرائی کے ساتھ اس سوال کا جائزہ لیا ہے کہ انسان آخر کن محرکات کے تحت تباہ کن رویے اختیار کرتا ہے اور یہ رویے کس طرح فرد کی ذات سے نکل کر پورے سماج کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ فرام کے نزدیک انسانی تباہ کاری محض حیوانی جبلّت کا اظہار نہیں، بلکہ یہ ایک پیچیدہ نفسیاتی، سماجی اور تہذیبی عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس کتاب میں ایرک فرام واضح کرتے ہیں کہ جب انسان اپنی حقیقی انسانی صلاحیتوں، جیسے محبت، تخلیق، آزادی اور ذمہ داری سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کے اندر ایک خلا جنم لیتا ہے، جو رفتہ رفتہ تباہ کن رجحانات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یوں انسان نہ صرف خود اپنی روحانی اور نفسیاتی تباہی کا سامان کرتا ہے بلکہ اپنے اردگرد کے انسانوں اور معاشرتی ڈھانچے کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ ایرک فرام اسی حوالے سے لکھتے ہیں:

> "There is, however one important fact that has been pretty well established clinically, the person with an unimpeded self-aggression tends, in a defensive sense than the person whose self-assertion is defective. This holds true both for defensive aggression and for malignant aggression like sadism ."
>
> "تاہم ایک حقیقت ایسی ہے جو کلینیکل سطح پر خاصی حد تک ثابت ہو چکی ہے، وہ شخص جس میں اپنی ذات کے اظہار اور خود پر اعتماد کی صلاحیت موجود ہو، اس شخص کے مقابلے میں کم جارحانہ ہوتا ہے جس میں صلاحیت کمزور یا کم ہو۔ یہ بات نہ صرف دفاعی جارحیت کے حوالے سے درست ہے بلکہ تباہ کن یا تخریبی جارحیت کے پیمانے پر بھی پوری اترتی ہے۔"(1)

انسانی جارحیت کو سمجھنے کے لیے ایرک فرام اسے بنیادی طور پر دو واضح اور متضاد اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلی قسم تباہ کن جارحیت (ملیگننٹ ایگریشن) ہے، جو بالکل غیر فطری اور غیر ضروری ہے، جس کے مختلف محرکات ہوتے ہیں۔ یہ وہ جارحیت ہے جو ظلم، تشدد، سادیت، جنگ، نسل کشی اور بے مقصد تباہی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ایرک فرام کے مطابق یہ جارحیت سماجی ناکامیوں، خوف، مایوسی، بیگانگی، طاقت کی ہوس اور معنویت کے فقدان سے جنم لیتی ہے۔ جارحیت کی یہی قسم انسان کو انسان کا دشمن بنانے کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ جارحیت کی دوسری قسم (دفاعی یا بینائین جارحیت) کو بیان کرتے ہوئے ایرک فرام لکھتے ہیں کہ جارحیت کی یہ قسم انسان اور حیوان دونوں میں پائی جاتی ہے اور اس کا مقصد محض بقا، خود دفاع اور خطرات سے تحفظ ہوتا ہے۔ یہ

جارحیت کسی تباہی یا ظلم کی خواہاں نہیں ہوتی بلکہ خطرہ ٹلتے ہی خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ فرام کے نزدیک اس قسم کی جارحیت اخلاقی یا انسانی اقدار سے متصادم نہیں بلکہ زندگی کے تحفظ کا ایک قدرتی ذریعہ ہے۔ ایرک فرام لکھتے ہیں:

> "Malignant aggression, let us remember, is specifically human and not derived from animal instinct. It does not serve the physiological survival of man, yet it is an important part of his mental functioning. It is one of the passions that are dominant and powerful in some individuals and culture, although not in others ."
>
> "مہلک جارحیت، یہ بات یاد رکھنی چاہیے خالصتاً ایک انسانی مظہر ہے، جو کہ حیوانی جبلت میں نہیں پائی جاتی۔ یہ انسان کی جسمانی یا حیاتیاتی بقا کے لیے کوئی خدمت سرانجام نہیں دیتی۔ البتہ یہ انسانی ذہنی ساخت اور نفسیاتی کارکردگی کے لیے ایک اہم عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ان شدید اور طاقت ور جذبات میں شامل ہے جو بعض افراد اور بعض تہذیبوں میں غالب اور مؤثر نظر آتے ہیں۔ جب کہ دیگر افراد اور ثقافتوں میں اس کی شدت یا موجودگی اس درجے کی نہیں ہوتی۔" (2)

ایرک فرام کے نظریۂ جارحیت کی روشنی میں جب ن م راشد کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ انسانی باطن میں پنہاں تباہ کن اور دفاعی جارحیت کے تمام بنیادی عناصر ان کی متعدد نظموں میں نہایت گہرے، علامتی اور فکری انداز میں جلوہ گر ہیں۔ ان کی نظم محض جذبات کا اظہار یہ نہیں بلکہ انسان کے داخلی تصادم، اس کی نفسیاتی پیچیدگیوں اور سماجی جبر کے خلاف ایک شدید فکری احتجاج بھی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ایرک فرام کا نفسیاتی شعور اور راشد کا شعری وجدان ایک دوسرے سے ہم آہنگ دکھائی دیتے ہیں۔ راشد کی نظموں میں جو تلخی، بے قراری، احتجاج اور بغاوت کی فضا ملتی ہے۔ وہ محض شخصی کرب نہیں بلکہ ایک بیمار اور غیر انسانی سماج کے خلاف ردِ عمل ہے۔ ان کے کردار اکثر ایسے انسان ہیں جو محبت، شناخت اور معنویت سے محرومی کے باعث اندر ہی اندر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں اور یہی داخلی شکست بالآخر جارحانہ رویوں میں ڈھل جاتی ہے۔ یہ جارحیت کبھی سماج کی اقدار پر طنز کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، کبھی تہذیب کی کھوکھلی بنیادوں پر حملہ بن جاتی ہے اور کبھی خود ذات کی نفی تک جا پہنچتی ہے۔

اردو شاعری کی روایت میں عورت تقریباً ہر شاعر کے ہاں کسی نہ کسی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے مگر راشد کے ہاں عورت کا تصور نہ تو روایتی رومان تک محدود ہے اور نہ ہی محض جمالیاتی شبیہ بن کر رہ جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں عورت ایک پیچیدہ، متحرک اور علامتی وجود کے طور پر سامنے آتی ہے جو بیک وقت کشش کا مرکز بھی ہے اور اضطراب و تصادم کا سرچشمہ بھی۔ یہی وہ نکتہ ہے جہاں راشد کا تصورِ عورت ایرک فرام کے نظریۂ جارحیت سے گہری معنوی ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ راشد کے ہاں عورت ایک جیتی جاگتی اور متحرک شے تو ہے مگر اس کی داخلی دنیا، احساسات اور اس کی روحانی شناخت اکثر نظر انداز ہو جاتی ہے۔ بعض نظموں میں تو

عورت کو محض ایک "گوشت کی گٹھڑی" کے طور پر بھی پیش کیا گیا ہے جو انسانی بیگانگی اور نفسیاتی تشدد کی ایک نہایت تلخ علامت بن جاتی ہے۔ ایک نقاد کی رائے کے مطابق:

> "ن۔م راشد اردو ادب کے عہد ساز شاعر ہیں۔ لیکن جہاں تک عورت کا تصور ہے تو وہ ان کے کلام میں نہ صرف آغاز میں بلکہ بعد کے ادوار میں بھی گوشت کی گٹھڑی سے آگے کبھی نہ بڑھا"۔(3)

ایرک فرام کے نظریہ جارحیت کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ رویہ محض انفرادی بدذوقی نہیں بلکہ تباہ کن جارحیت (ملیگننٹ ایگریشن) کی ایک واضح صورت ہے جو کہ ان کی بیشتر نظموں میں واضح طور پر موجود ہے۔ ایرک فرام کے مطابق جب انسان محبت، ہمدردی اور باہمی ربط سے محروم ہو جاتا ہے تو وہ دوسرے انسان کو ایک زندہ ہستی کے بجائے ایک شے (اوبجیکٹ) کے طور پر دیکھنے لگتا ہے۔ راشد کی شاعری میں عورت کا جسمانی اور غیر جذباتی پیکر دراصل اسی مادیت (اوبجیکٹی فیکیشن) کا اظہار ہے۔

راشد کی نظم "میں اسے واقفِ الفت نہ کروں" ان کی ان نظموں میں شمار ہوتی ہے جہاں انسانی نفسیات کی تہہ در تہہ پیچیدگیاں، باطنی تصادم اور جارحیت کی مختلف صورتیں نہایت لطیف مگر گہرے علامتی انداز میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ یہ نظم محض ایک عاشقانہ انکار یا جذباتی گریز کا بیان نہیں بلکہ انسان کے اندر جاری اس کشمکش کی نمائندہ ہے جو محبت، آزادی اور اختیار کے مابین برپا رہتی ہے۔ اسی اسی مقام پر ایرک فرام کے نظریۂ جارحیت اور فرد کی آزادی کا تصور اس نظم کی تفہیم میں کلیدی حیثیت اختیار کر لیتا ہے:

سوچتا ہوں کہ بہت سادہ و معصوم ہے وہ
میں ابھی اس کو شناسائے محبت نہ کروں
روح کو اس کی اسیر غم الفت نہ کروں
اس کو رسوا نہ کروں، وقفِ مصیبت نہ کروں
سوچتا ہوں رنج سے آزاد ہے وہ
زندگی اس کے لیے زہر بھرا جام نہیں
اس نے دیکھا نہیں دنیا میں بہاروں کے سوا
سوچتا ہوں غم دل نہ سناؤں اس کو
سامنے اس کے کبھی راز کو عریاں نہ کروں
وہ محبت کی بھلا تاب کہاں لائے گی (4)

ایرک فرام کے نزدیک انسان فطری طور پر آزادی کا متلاشی ہے مگر یہی آزادی جب خوف اور عدمِ تحفظ سے آلودہ ہو جائے تو انسان دفاعی رویے اختیار کر لیتا ہے۔ نظم میں شاعر کا یہ اصرار کہ وہ محبوب کو "واقفِ الفت" نہیں کرنا چاہتا، دراصل اسی دفاعی جارحیت کا اظہار ہے۔ یہ جارحیت کسی کو نقصان پہنچانے کی نیت سے نہیں بلکہ اپنی ذات، اپنی آزادی اور اپنے داخلی توازن کے

تحفظ کے لیے بروئے کار آتی ہے۔ شاعر محبت سے انکار کر کے خود کو اس وابستگی سے بچانا چاہتا ہے جو اس کی خود مختاری کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔ تاہم نظم کی سطح پر یہ دفاعی انکار بتدریج ایک اور صورت اختیار کر لیتا ہے۔ محبوب کو جذباتی شعور سے محروم رکھنا، اسے لاعلم اور بے خبر رکھنے کی خواہش، رفتہ رفتہ ایک ایسی روش میں ڈھل جاتی ہے جسے ایرک فرام تباہ کن یا تخریبی جارحیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہاں شاعر نہ صرف خود کو محفوظ کرنا چاہتا ہے بلکہ دوسرے کے حقِ محبت، حقِ آگہی اور حقِ انتخاب کو بھی بالکل محدود کر دیتا ہے۔ یوں محبت سے انکار ایک نفسیاتی بالادستی اور ایک جذباتی تسلط کی واضح شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی حوالے سے ایک مصنف لکھتے ہیں:

"محبوبہ کی محبت کے لیے 'بھلا تاب کہاں لائے گی' اور 'آتشِ جذبات میں جل جائے گی' جو کہا گیا ہے تو اس میں اس لذت کا نام و نشان تک نہیں ہے، جو محبوبہ کو محبوبہ بن کر ہوتی ہے"۔ (5)

ایرک فرام کے نظریے کے مطابق جب انسان دوسرے انسان کو ایک آزاد اور خود مختار وجود کے طور پر قبول کرنے سے قاصر رہتا ہے تو وہ لاشعوری طور پر اسے شے میں بدل دیتا ہے۔ اس نظم میں محبوب کو "واقفِ الفت" نہ کرنے کا فیصلہ اسی مادیت (اوبجیکٹی فکیشن) کی علامت بن جاتا ہے۔ جہاں دوسرے کی داخلی دنیا کو تسلیم کرنے کے بجائے اسے اپنے خوف اور تحفظ کی منطق کے تابع کر دیا جاتا ہے۔ یہ عمل بظاہر خاموش، نرم اور مہذب ہے مگر اپنی تہہ میں گہری جارحیت رکھتا ہے۔ اس حوالے سے راشدؔ کی یہ نظم ایک نہایت فکری نظم بن کر سامنے آتی ہے جو محبت کو محض جذبہ نہیں بلکہ طاقت، خوف اور آزادی کے پیچیدہ رشتے کے طور پر پیش کرتی ہے۔ وہ اس نظم کے ذریعے جدید انسان کے اس المیے کو آشکار کرتے ہیں جو محبت چاہتا بھی ہے مگر اس کے نتائج سے خوف زدہ ہو کر اسے مسخ کر دیتا ہے۔ یوں یہ نظم ایرک فرام کے نظریۂ جارحیت اور آزادی کی ایک بلیغ شعری تعبیر بن جاتی ہے جہاں انسانی تعلقات کی شکست اور نفسیاتی اضطراب پوری شدت کے ساتھ نمایاں ہو جاتے ہیں۔

راشدؔ کی نظم "انتقام" ان کی شاعری میں جارحیت کے تصور کو نہایت شدید، عریاں اور بے رحم صورت میں پیش کرتی ہے۔ یہ نظم کسی ایک مخصوص سماجی یا سیاسی ردِ عمل تک محدود نہیں رہتی، بلکہ انسانی نفسیات کے اس تاریک، پیچیدہ اور اضطراب خیز گوشے کو آشکار کرتی ہے جہاں طاقت، جبر، جنس اور انتقام ایک دوسرے میں اس طرح گتھم گتھا ہوتے نظر آتے ہیں کہ فرد کی داخلی سفاکی پوری شدت کے ساتھ عیاں ہو جاتی ہے۔ راشدؔ اس نظم میں فقط خارجی ظلم یا وقتی ردِ عمل کا بیان نہیں کرتے، بلکہ انسان کے باطن میں چھپی ہوئی اس جبلّی وحشت کو آشکار کرتے ہیں جو تہذیب، اخلاق اور مہذب شعور کے پردوں کو چاک کر کے اپنی اصل اور ہولناک صورت میں سامنے آ جاتی ہے:

اس کا چہرہ اس کے خد و خال یاد آتے نہیں
اک برہنہ جسم اب تک یاد ہے
اجنبی عورت کا جسم،

میرے 'ہونٹوں' نے لیا تھا رات بھر
جس سے اربابِ وطن کی بے بسی کا انتقام
وہ برہنہ جسم اب تک یاد ہے! (6)

ایرک فرام کے نظریۂ جارحیت کی روشنی میں دیکھا جائے تو "انتقام" ایک ایسی نظم بن کر سامنے آتی ہے جو تباہ کن جارحیت کی مکمل اور ہولناک تصویر پیش کرتی ہے۔ ایرک فرام کے مطابق تباہ کن جارحیت وہ جارحیت ہے جو بقا یا دفاع کے لیے نہیں بلکہ اقتدار، تسلط اور دوسرے کو نیست و نابود کرنے کی خواہش سے جنم لیتی ہے۔ اس نظم میں راشدؔ سی نوع کی جارحیت کو ریاستی نظام اور طاقت کے علامتی کرداروں کے ذریعے نمایاں کرتے ہیں۔ نظم کا منظر نامہ ایسا ہے جہاں اقتدار صرف نظم و ضبط قائم کرنے کا ذریعہ نہیں رہتا بلکہ ظلم، استحصال اور انسانی وقار کی پامالی کا آلہ بن جاتا ہے۔ یہاں طاقت ایک نفسیاتی بیماری کی صورت اختیار کر لیتی ہے، ایک ایسی بیماری جو انسان کو دوسرے انسان کے دکھ، خوف اور شکست سے لذت حاصل کرنے پر آمادہ کر دیتی ہے۔

راشدؔ اس نظم میں ریاستی جبر کو محض خارجی نظام کے طور پر نہیں بلکہ انسانی نفس کی توسیع کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ایرک فرام کے مطابق جب فرد محبت، تخلیق اور آزادی جیسے مثبت انسانی امکانات سے کٹ جاتا ہے تو وہ طاقت کے ذریعے اپنی بے معنویت کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ "انتقام" میں یہی بے معنویت ظلم کے ایک ایسے تسلسل میں ڈھل جاتی ہے جہاں تشدد صرف مقصد نہیں بلکہ خود ایک مسرت بن جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں جارحیت دفاعی حدود سے نکل کر مکمل تخریب میں بدل جاتی ہے۔

نظم کا ایک اہم پہلو عورت اور جنس کا استعمال ہے۔ راشدؔ کے ہاں عورت اس نظم میں محض ایک فرد نہیں بلکہ ایک ایسی علامت ہے جس پر طاقت اپنے غلبے کا اظہار کرتی ہے۔ عورت کا جسم یہاں محبت یا رشتے کی علامت نہیں بلکہ تسلط، ذلت اور انتقام کا میدان بن جاتا ہے۔ ایرک فرام کے نظریے کے مطابق یہ رویہ انسان کی اس نفسیاتی گراوٹ کی علامت ہے جہاں وہ دوسرے انسان کو ایک زندہ، حساس وجود کے بجائے محض ایک شے (اوبجیکٹ) کے طور پر دیکھنے لگتا ہے اور یہی پہلو تباہ کن جارحیت کی ایک بدترین ہے، کیوں کہ اس میں دوسرے کی انسانیت مکمل طور پر منسوخ ہو جاتی ہے۔ راشدؔ خود اپنی اس نظم کے بارے میں رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "انتقام، جو میری نظموں میں سب سے زیادہ بدنام قرار پائی ہے، اس کا میر افسانہ وہ کردار ہے جو اس خود فریبی میں مبتلا ہے کہ جنسی تسکین سیاسی انتقام کا صحیح راستہ ہے۔ لیکن اپنی اس دوروئی کی وجہ سے وہ ایک طرف پوری جنسی تسکین کا اہل ثابت نہیں ہوتا (اس کا چہرہ، اس کے خدوخال یاد آتے نہیں) دوسری طرف وہ صحیح سیاسی انتقام لینے کے قابل بھی نہیں۔ اس کے فعل کے یہ دو پہلو ایک دوسرے کی نفی کر

دیتے ہیں اور وہ جس دوگانہ لذت اور کامرانی کا جویا ہے، اسے حاصل نہیں ہوتی۔ ہر بیمار سوسائٹی میں
ایسے سینکڑوں آدمی ملیں گے جو جنسی تسکین کو انتقام کا مترادف سمجھتے ہیں۔"(8)

"انتقام" میں جنس اور تشدد کا امتزاج دراصل اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ طاقت جب اخلاقی اور انسانی قدروں سے عاری ہو جائے تو وہ زندگی کو تخلیق کرنے کی بجائے اسے مسخ کرنے لگتی ہے۔ ایرک فرام کے نزدیک ایسی جارحیت زندگی دشمن سمجھی جاتی ہے یعنی وہ زندگی، حسن اور تخلیق سے نفرت کرتی ہے اور موت، شکست اور تباہی سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ یہ نظم اسی زندگی دشمن نفسیات کا شعری اظہاریہ ہے۔ یوں یہ نظم راشد کی شاعری میں جارحیت کا سب سے شدید اور مکمل بیان بن کر سامنے آتی ہے۔ یہ نظم قاری کو محض ظلم کا مشاہدہ نہیں کراتی بلکہ اسے ذہنی اور نفسیاتی کرب سے بھی آشنا کرتی ہے، جو ظلم کو جنم دیتا ہے۔ ایرک فرام کے نظریہ جارحیت کی روشنی میں "انتقام" ایک ایسے بیمار فرد اور بیمار ریاست کا استعارہ بن جاتی ہے جہاں محبت کی عدم موجودگی، آزادی کی نفی اور طاقت کی ہوس انسان کو انسان کا دشمن بنا دیتی ہے۔ اسی گہری نفسیاتی بصیرت کے باعث یہ نظم محض ایک ادبی تخلیق نہیں، بلکہ جدید انسان اور جدید تہذیب کے خلاف ایک تہلکہ خیز فکری احتجاج ہے۔

نظم "بیکراں رات کے سناٹے میں" شاعر کی باطنی دنیا کو پوری شدت اور گہرائی کے ساتھ قاری کے سامنے آشکار کرتی ہے۔ یہ نظم کسی عارضی یا لمحاتی جذبے کا اظہار نہیں، بلکہ ایک ایسی ہمہ گیر اور ہمہ وقت کار فرما خواہش کی علامت ہے جو شاعر کے شعور و لاشعور پر اس درجہ حاوی ہو چکی ہے کہ اس کے حواس تحلیل اور اس کی داخلی مزاحمت کمزور پڑتی دکھائی دیتی ہے۔ بیکراں رات کا سناٹا یہاں محض ایک خارجی منظر نہیں بلکہ شاعر کی اندرونی تنہائی، ذہنی انتشار اور دبی ہوئی بے قراری کا علامتی استعارہ بن جاتا ہے:

تیرے بستر پر میری جاں کبھی
بے کراں رات کے سناٹے میں
جذبہ شوق سے ہو جاتے ہیں اعضا مدہوش
اور لذت کی گراں باری سے
ذہن بن جاتا ہے، دلدل کسی ویرانے کی(8)

ایرک فرام کے نظریۂ جارحیت کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ نظم اس نفسیاتی کیفیت کی نمائندہ ہے جہاں جارحیت کسی خارجی تشدد کی صورت میں نہیں، بلکہ باطن میں دبی ہوئی خواہش، اضطراب اور فرار کی خواہش کے روپ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ فرام کے مطابق جب فرد اپنے وجودی جبر اور شعوری ذمہ داریوں کے بوجھ سے نجات پانا چاہتا ہے تو وہ لاشعوری طور پر ایسی کیفیت کی طرف مائل ہوتا ہے جو اسے خودی کے احساس سے عارضی نجات دے۔ نظم میں موجود مدھم مگر مسلسل خواہش اسی دباؤ کی علامت ہے جو شاعر کو مدہوشی کی طرف کھینچتی ہے، ایک ایسی مدہوشی جس کی آرزو شاعر خود کرتا ہے تاکہ شعور کی سخت گرفت سے آزاد ہو

کر جذبے کی بے کنار وسعت میں تحلیل ہو سکے۔ یہ مدہوشی محض جسمانی نہیں بلکہ ذہنی اور روحانی سطح پر ایک وجودی کیفیت ہے، جہاں خواہش، خواب اور حقیقت کی سرحدیں تحلیل ہو جاتی ہیں۔ یہاں جارحیت خود کی نفی اور شعوری وجود سے فرار کی صورت اختیار کر لیتی ہے، جو فرام کے نزدیک انسانی اضطراب کی ایک گہری اور پیچیدہ شکل ہے۔ شاعر کا لہجہ اس تمام تجربے کو نہایت رمزیت اور علامت کے پردے میں پیش کرتا ہے، جس کے باعث نظم ایک خواب ناک، پراسرار اور نفسیاتی گہرائی سے لبریز تخلیقی تجربہ بن جاتی ہے، جہاں قاری بھی شاعر کے ساتھ اسی بے نام مدہوشی اور داخلی کشمکش میں شریک ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا اشعار میں شاعر کی جنسی، جذباتی اور نفسیاتی کیفیت ایک نہایت پیچیدہ اور منقسم صورت میں سامنے آتی ہے۔ شاعر محبوبہ کے بستر پر موجود ہے، جسمانی طور پر قربت اور مدہوشی کی فضا میں ہے وہ محبوب پر حاوی بھی ہونا چاہتا ہے اور لذت حاصل کرنے کی خواہش بھی رکھتا ہے مگر اس کے باوجود وہ اس لذت میں پوری طرح شریک نہیں ہو پاتا۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دراصل اس کا ذہن اس لمحۂ قربت میں حاضر نہیں جسم خواہش میں مبتلا ہے لیکن شعور کہیں اور بھٹک رہا ہے اور گردش کر رہا ہے۔ یوں وہ لمحے جو مسرت اور تکمیل کا ذریعہ بن سکتے تھے ایک ادھورے پن اور ویرانی میں بدل جاتے ہیں۔ ایرک فرام کے نظریۂ جارحیت کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ کیفیت محض جنسی ناتوانی یا جذباتی عدم توجہی نہیں بلکہ ایک گہری نفسیاتی کشمکش کی علامت ہے۔ فرام کے مطابق جب انسان اپنے وجودی اضطراب، تنہائی اور داخلی بے معنویت کا سامنا کرتا ہے تو اس کی جبلّی توانائیاں تعمیری ربط قائم کرنے کے بجائے منفی یا منتشر صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ شاعر کے ہاں بھی خواہش ایک تعمیری، باہمی اور مساوی تعلق کی شکل اختیار نہیں کر پاتی بلکہ ایک ایسی جارحانہ کیفیت میں ڈھل جاتی ہے جو محبوب پر حاوی ہونے کی خواہش تو رکھتی ہے مگر حقیقی قربت اور باہمی شمولیت پیدا کرنے میں ناکام رہتی ہے۔

یہاں جارحیت کسی تشدد یا خارجی عمل کی صورت میں نہیں بلکہ داخلی انتشار اور خود سے بیگانگی کے طور پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ شاعر کا ذہن ویرانوں میں بھٹکتا ہے، ایک ایسی دلدل میں اتر جاتا ہے جہاں خیالات منتشر ہیں اور شعور کسی ٹھوس مرکز سے محروم ہے۔ فرام کے نزدیک یہ کیفیت انسان کی اس ناکامی کا اظہار ہے جہاں وہ "ہونے" کی بجائے "حاصل کرنے" پر زور دیتا ہے۔ شاعر محبوب کو پانا تو چاہتا ہے، مگر خود کو اس لمحے میں پوری طرح موجود نہیں کر پاتا، نتیجتاً نہ وہ خود لذت پا سکتا ہے اور نہ محبوب اس تجربے میں برابری کی سطح پر شریک ہو پاتی ہے۔ یوں نظم میں جنسی تجربہ بھی ایک وجودی علامت بن جاتا ہے، ایسی علامت جو انسانی رشتوں میں عدم توازن، باطنی تنہائی اور شعور و لاشعور کی کشمکش کو نمایاں کرتی ہے۔ ن م راشد یہاں محض جسمانی قربت کا بیان نہیں کرتے بلکہ اس انسانی المیے کو آشکار کرتے ہیں جہاں خواہش، جارحیت اور تنہائی ایک دوسرے میں مدغم ہو کر انسان کو خود اپنی ذات سے دور لے جاتی ہیں۔ یہ نظم اسی داخلی شکست اور نفسیاتی بیگانگی کا ایک گہرا، علامتی اور فکری اظہار بن جاتی ہے:

آرزوئیں تیرے سینے کے کہستانوں میں
ظلم سہتے ہوئے حبشی کی طرح رینگتی ہیں (9)

راشدؔ کے یہ اشعار شاعر کے داخلی کرب اور دبی ہوئی خواہشات کو نہایت گہرے، استعاراتی اور علامتی اسلوب میں منظر عام پر لاتے ہیں۔ یہاں آرزوئیں محض ذاتی تمناؤں کی حد تک محدود نہیں رہتیں بلکہ وہ ایسی محرومیوں اور پابندیوں کی گرفت میں جکڑی ہوئی ہیں جو جبر، محکومی اور تسلط کے شکنجوں سے پروان چڑھی ہیں اور جنھیں آزادی کی فطری توانائی سے محروم کر دیا گیا ہے۔ شاعر اپنی داخلی کیفیت کی شدت اور اس دباؤ کی غیر یقینی کیفیت کو پیش کرنے کے لیے حبشی کی مانند رینگنے کا پُر اثر استعارہ استعمال کرتا ہے۔ یہ استعارہ صرف جسمانی پستی اور ذلت کی علامت نہیں بلکہ ایک ایسی نفسیاتی کیفیت کی نمائندگی کرتا ہے جس میں انسان اپنی خواہشات سمیت طاقت کے مراکز کے سامنے مکمل طور پر بے بس اور مسخ ہو چکا ہوتا ہے۔ رینگنے کی یہ تصویر انسانی ارادے کے ضائع ہونے، خودی کے سلب ہو جانے اور شخصی آزادی کی غیر موجودگی کی علامت کے طور پر سامنے آتی ہے اور قاری کو اس ذہنی و جذباتی کشمکش کی شدت کا بخوبی احساس دلاتی ہے۔

ایرک فرام کے نظریہ جارحیت کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ کیفیت انسانی اضطراب، جبر اور خودی کے نقصان کی ایک نفسیاتی تعبیر ہے۔ فرام کے مطابق جب فرد اپنے وجودی دباؤ، اندرونی کرب اور شعوری ذمہ داریوں کے بوجھ سے گھرا ہوتا ہے تو اس کی جبلّی اور نفسیاتی توانائیاں تخلیقی ربط قائم کرنے کے بجائے منتشر، دبائی ہوئی یا جارحانہ کیفیت اختیار کر لیتی ہیں۔ "بیکراں رات کے سناٹے میں" کے تناظر میں بھی یہی صورت حال نظر آتی ہے: شاعر اپنی خواہشات، آرزوؤں اور جسمانی لذت کے درمیان ایک تضاد کا شکار ہے۔ جسم قریب ہے لیکن شعور کہیں اور بھٹک رہا ہے؛ آرزوئیں دبائی ہوئی ہیں، اور ان کا اظہار یا تکمیل جارحیت کی شکل میں یا تو اپنے شعور سے فرار کی کوشش کے طور پر سامنے آتا ہے یا مکمل بے بسی کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔

یوں راشدؔ کی یہ نظم اور اشعار نہ صرف انسانی آرزوؤں کی محرومی، ذہنی انتشار اور باطنی تنہائی کو علامتی طور پر پیش کرتے ہیں بلکہ انسانی وجود میں جارحیت، طاقت، تسلط اور خواہش کے درمیان نفسیاتی کشمکش کو بھی بے باک انداز میں منظر عام پر لاتے ہیں۔ قاری یہاں شاعر کی داخلی دنیا کی شدت اور تضاد کے تجربے میں شریک ہوتا ہے، جہاں ہر آرزو، ہر مدہوشی اور ہر رینگنا ایک علامت بن جاتی ہے انسانی خودی کی محدودیت، آزادی کی طلب اور وجودی تنہائی کی۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ن م راشدؔ کی شاعری انسانی نفسیات، داخلی کشمکش اور سماجی جبر کا ایک عمیق اور فکری مطالعہ پیش کرتی ہے۔ ایرک فرام کے نظریۂ جارحیت کے تناظر میں یہ واضح ہوتا ہے کہ راشدؔ کی نظموں میں انسانی داخلی اور تباہ کن جارحیت، دفاعی رویے، طاقت، خواہش اور محبت کے پیچیدہ تعلقات نہایت نفسیاتی اور علامتی انداز میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ نظموں میں عورت کا تصور محض جمالیاتی یا رومانوی شبیہ نہیں بلکہ انسانی بیگانگی، مادیت ور تسلط کی علامت کے طور پر ابھرتا ہے، جو انسان کی آزادی، محبت اور داخلی توازن کی عدم موجودگی کے اثرات کو نمایاں کرتا ہے۔ راشدؔ کی نظمیں نہ صرف فرد کی باطنی تضاد، دباؤ اور

ذہنی انتشار کی گہری تصویر پیش کرتی ہیں بلکہ یہ بھی آشکار کرتی ہیں کہ کس طرح سماجی جبر، طاقت کی ہوس اور محبت کی کمی انسانی رویوں میں جارحیت، فرار اور تخریب کو جنم دیتی ہے۔ یوں ان کی شاعری محض ادبی تخلیق نہیں بلکہ ایک فکری اور نفسیاتی بصیرت ہے جو جدید انسان، اس کے تعلقات اور جدید تہذیب کے المیے کو بے باک انداز میں سامنے لاتی ہے۔ یہ نظمیں قاری کو انسانی وجود کی پیچیدگی، جذباتی تضاد اور سماجی و نفسیاتی مسائل کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرتی ہیں اور اسی وجہ سے راشدؔ کی شاعری آج بھی انسانی نفسیات اور جدید ادب کے مطالعے کے لیے لازمی اور مؤثر ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

حوالہ جات

1. Erich Fromm, The Anatomy of Destructiveness (New Yark: Halt Rinchart and Unistone,1973), 194.
2. Ibid, 218.

3. فہمیدہ ریاض، ادب کی نسائی ردِ تشکیل (کراچی: وعدہ کتاب گھر، کراچی، 2006)، 35۔
4. راشد، ن۔م کلیاتِ راشد (لاہور: ماورا پبلشرز، 1992ء)، 17۔
5. حیات اللہ انصاری، ن۔م راشدؔ (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 2010ء)، 146ء
6. راشد، ن۔م کلیاتِ راشد، 108۔
7. نوری، فخر الحق، ڈاکٹر، مطالعہ راشدؔ: چند نئے زاویے (فیصل آباد: مثال پبلشرز، فیصل آباد، 2010ء)، 118۔
8. خالد شریف، کلیاتِ راشدؔ، 103۔
9. ایضاً، 104۔

References in Roman Script

1. Asghar Abbas, Urdu ka Jamaliyati Adab aur Aligarh (Aligarh: Educational House, 1988), 14.
2. Asghar Abbas, Urdu ka Jamaliyati Adab aur Aligarh,17.